ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

رضوانہ نقوی
لیکچرر اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین جلالپور شریف، پی ڈی خان
ڈاکٹر ساجد جاوید
اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

انتظار حسین کے افسانوں کی علامتی معنویت

Rizwana Naqvi
Rizwana Naqvi, lecurer Urdu, GACW Jalal Pur Sharif, PD Khan.
Dr. Sajid Javeed
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sargodha.

Symbolic Ideality of Intazar Hussain's Short Stories

Intazar Hussain is a renowned short story writer in Urdu literature. In Urdu literature his writtings are at the vantage among great writers and their asset.His masterliness appears in his metaphorical and symbolic style of writing. His writings demand spacious study and deep view from his readers for its connoisseurship.His short stories emerge in simple incient narrative mode but holds a world of symbols and metaphors which can't be controled by common reader , therefore his art is particular and demands the mettle for its perception.His short stories specially presents four types of literary aspects, 1st social photography, 2nd romanticism and secularism where he narrats the stories about the declination of human and society, 3rd social and political issues and 4th aspect of his art is psychological where he discovers the human instinct and present it in diverse colours.Trough this article i have tried to enlighten his symbolic style of writting which confront in various forms.
Keywords: *Metaphorical, symbolism, particular art, social photography, romanticism, psychological aspects.*

علامت بشر کے ادارک و محسوسات کی پیشکش کا بہترین وسیلہ ہے اور شعر و ادب کی سر زمین پر اسکی آبیاری صدیوں سے جاری ہے۔علامت انگریزی لفظSymbolکا ترجمہ ہے۔اور یہ یونانی لفظSymbolonسے نکلا ہے۔جبکہ Symbolonدو لفظوں Sym بمعنی ساتھ اور bolon بمعنی پھنکا ہوا کا مجموعہ ہے۔جسکا مطلب

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہوا" ساتھ پھنکا ہوا"۔ یہ لفظ اپنے اصل یونانی مفہوم میں دو فریقوں کے درمیان کسی معاہدے کی شناخت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً کسی چیز، سکے، چھڑی یا ٹکڑے کو برابر حصوں میں تقسیم کر کے معاہدے کے فریق اپنے اپنے پاس رکھتے اور بعد ازاں اس شناخت کے ذریعے اپنے معاملات کو پایہء تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ چنانچہ Symbol کسی چیز کا ایک ٹکڑا یا حصہ ہے جسے دوسرے ٹکڑے کے ساتھ رکھنے یا ملانے سے اصل بات، معاہدہ یا مفہوم زندہ ہوتا ہے۔ Symbol کے حوالے سے یہ لفظ علامت سے زیادہ نشان کو واضح کرتا ہے کیونکہ علامت کا مفہوم متعین نہیں ہو سکتا بلکہ جیسے ہی کوئی مفہوم متعین کیا جائے گا علامت، علامت نہیں رہے گی بلکہ نشان بن جائے گا۔ نشان کسی اصل چیز کا متبادل یا نمائندہ ہے جبکہ علامت امکانات کی طرف اشارہ اور ایک ایسی نفسی کیفیت کا بیان کہ جسے زیادہ وضاحت کے ساتھ پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا[1] سوسن لینگر کا بھی یہی کہنا تھا کہ علامت شے یا واقعے کا متبادل یا احساس نہیں، تصور ہے۔ مثلاً جب درخت کہا جائے گا تو اس سے مراد کوئی خاص درخت نہیں بلکہ وہ تصور ہے جو تمام اقسام کے درختوں میں قدرِ مشترک کا حامل ہے۔ لہٰذا علامت اصل اشیاء سے زیادہ تصورات کو سامنے لانے کا کام کرتی ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کا کہنا ہے کہ اپنی ذات کے قید خانے اور لفظوں کی قید و بند سے رہائی پا کر ذات و وجود کے فاصلوں کو طے کرنا اور امکانات کو کھوجنا ہی علامت کا سب سے بڑا وظیفہ ہے۔ ان کے مطابق اس اعتبار سے دیکھئے تو علامت کو الگ کر کے دکھانا گمراہ کُن ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہنا چاہئیے کہ فلاں لفظ، تصور یا خیال علامتی انداز میں سامنے آیا ہے یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ شعر یا نظم علامتی ہے اور کسی مقررہ کاروباری مفہوم کی بجائے مخفی مفاہیم کی طرف پیش قدمی کی کوشش ہے[2] دراصل علامت عکاسی کا نہیں دریافت اور قلب ماہیت کا عمل ہے جو کسی مرتب شدہ صورتِ حال کو سامنے لانے سے زیادہ امکانات کو مس کرتی ہے تاکہ حقیقت کی پراسراریت کو جان سکے۔ علامت درحقیقت ہمہ دم پھیلتی ہوئی شعاعوں کا دوسرا نام ہے یہ وہ tentacles ہیں جو حقیقت کے بطون میں اتر کر اس کے امکانات کو مس کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ نہیں کی محض دریافت شدہ حقیقت کو جھاڑ پونچھ کر پیش کر دیں[3] علامت کی بحث میں فرائیڈ کے نظریہءِ علامت کا ذکر بار بار ملتا ہے جس کے مطابق علامتیں خواہ وہ خوابوں میں ابھریں، اساطیر یا آرٹ میں اصلاً جنسی ہوتی ہیں اور کسی خاص شے کے عمومی اظہار کے طور پر سامنے آتی ہیں ادب پر اس نظریے کا انطباق کلّی طور پر ممکن نہیں۔ کیونکہ فرائڈ کا یہ نظریہ "خواب" پر استوار تھا جس کے مطابق خواب میں دکھائی پڑتی اشیاء مثلاً مظاہرِ فطرت، چرند پرند، حشرات الارض وغیرہ بشر کے انفرادی جنسی لاشعوری کے نمائندہ تھے۔ خوابوں کی تشریح و تفہیم کے ذریعے فرائڈ کا مقصد نفسیاتی الجھنوں میں پھنسے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

مریضوں کی پیچیدگیوں کو دور کر کے انھیں ذہنی و نفسی تسکین فراہم کرنا تھا۔ نیز فرائڈ نے جس چیز کو علامت گردانا ہے در حقیقت وہ نشان ہے۔ فرائیڈ جب کسی ایک شے کو دوسری شے کا قائم مقام بتاتا ہے تو یہاں سے علامت، علامت کے دائرے سے نکل کر نشان بن جاتی ہے۔ استقلال علامت کا جزو نہیں نہ ہی وہ قوی لمس کو برداشت کر سکتی ہے کیونکہ اسکا وجود امکانات سے عبارت اور لامحدود ہے۔ حدود و شناخت اسے قیام و مقام کے دائرے میں لا کر جکڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ تعین و شناخت کی یہ جکڑ بندی نشان تو ہو سکتی ہے علامت نہیں۔ علامت کے حوالے سے فرائیڈ کے علاوہ یونگ کے نظریات بھی اردو ناقدین کے زیر بحث رہے ہیں۔ یونگ کے ہاں نظریہ ءِ علامت فرائیڈ سے زیادہ واضح، وسیع اور قابلِ عمل ہے کیونکہ یونگ فرائڈ کی طرح علامت کو substitution یا comparison نہیں مانتا اور نہ ہی یہ تسلیم کرتا ہے کہ علامت ایک مکمل قدر ہوتی ہے۔ انتظار حسین اردو افسانے کا اہم ستون اور اساطیری علامت نگاری کے حوالے سے ایک اہم نام ہیں ان کے افسانے علامتی و استعاراتی انداز کی اچھوتی پیشکش ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری علامتی اظہار کے ذریعے مٹتی ہوئی قدیم تہذیب اور اس کی اقدار کو زندہ کرنے اور انسانی لاشعور کو بیدار کرنے کی سعی کرتی ہے۔ ان کے افسانوں میں اجتماعی انسانی شخصیت اور معاشرتی روابط کی کہانی علامتی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ ان علامتوں کے ذریعے وہ نا صرف بشر کی جبلی خواہشات اور نارسائیوں کو عیاں کرتے ہیں بلکہ اپنے سماج کی تہذیبی سطح کو بلند اور ارفع کرنے کی بھی اپنی سی سعی کرتے ہیں تاکہ سماج کو بنانے والے انسان کی بیداری اسکی زوال پذیر شخصیت کے ارتقا کی ضامن بن جائے۔ انتظار حسین نے معنی و مدعا اور اپنے فنی اظہار کے لیے قدیم و جدید، تاریخی و ذاتی ہر نوع کی علامت نگاری سے کام لیا ہے۔ مگر اختصاصی طور پر انھوں نے اساطیر، لوک کہانیوں، آسمانی صحائف، حکایتوں اور قدیم داستانوی کرداروں اور انکے واقعات کو زمانہ ءِ حال اور عصری ماحول و کرداروں سے منسلک کر کے نئی زندگی اور معنویت عطا کی ہے۔ اساطیر کے حوالے سے ان کے ہاں یونانی سے زیادہ ہندو دیومالا سے اخذ و اکتساب غالب ہے۔ جبکہ حکایات کے ضمن میں انہوں نے زیادہ تر قصہ چہار درویش، کلیلہ و دمنہ کی کہانیوں، پنچ تنتر، طلسم ہو شربا، الف لیلی اور فسانہ ءِ عجائب سے اکتساب کیا ہے۔ تاریخی و مذہبی شخصیات کے ضمن میں ان کے ہاں ہندو دیوی دیوتاؤں، مہابھارت کی تاریخی کرداروں، گوتم بدھ اور ہندو رشیوں، منیوں کے کردار قابلِ ذکر ہیں جبکہ اسلامی شخصیات کے حوالے سے انکے ہاں عہد نامہ قدیم و عتیق، کربلا اور اس سے متعلقہ نیک و بد کردار عصری اور شخصی آشوب کی علامت بن کر ابھرتے ہیں۔ انتظار حسین کے فن کی خاص بات یہ ہے کہ انکی

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

علامت نگاری فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر دو آتشہ ہو جاتی ہے ایسے میں انکے ہاں سمندر، جنگل، چرند، پرند، جانور سب علامتوں میں ڈھل کر معنوی پھیلاؤ کا باعث بنتے ہیں۔

انتظار حسین کی علامت نگاری میں، ہجرت بنیادی علامت ہے اور اس علامت سے جڑے گونا گوں سلسلے ان کے فن میں متعدد زاویوں سے ابھرتے ہیں۔ ان کے ہاں ہجرت ایک ملک سے دوسرے ملک کا حوالہ نہیں بلکہ اجتماعی انسانی تہذیب کا حوالہ ہے جو یونان، اجودھیا، مدنیہ کربلا، اندلس اور جہاں آباد کو ایک ہی دھاگے میں پروئے ہوئے زمانوں کے کرب و نارسائی، نئی زمینوں کے خوابوں کی شکست، آنے والے ماحول کے خوف، حال کی بد حالی، تشکیک، ڈر، بے اعتباری اور کم نصیبی کے متعدد پہلوؤں کی تشریح علامتی انداز سے کرتا ہے۔"ہجرت "انتظار حسین کے ہاں ان کے بیتے ہوئے اور موجودہ عہد کی اجتماعی تاریخ ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ مستقبل کا منظر نامہ بھی اس ہجرت سے خالی نہیں۔ ہجرت کی شامِ غریباں اور اسکی لہو رنگ مسافرت ان کی افسانہ نگاری کا غالب رجحان ہے۔ منظر نامہ بدل سکتا تھا اگر نئی زمینوں کے کشادہ سینے اور پیار بھری بانہوں میں نادیدہ قوتوں کا جبر واستحصال آنے والوں پر قہر بن کر نہ ٹوٹتا۔ لیکن بد نصیبی یہ کہ پہلے سے لٹے ہوئے زخمی دلوں اور چور بدنوں کے لیے صبح امید اور امن کی دھرتی بہت جلد تنگ ہونے لگی ایسے میں ان کے لیے اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کسی نئی سر زمین کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مگر تشکیک و خوف سے لبریز یہ سوال کہ کیا نئی دھرتی جائے اماں بن جائے گی؟ مسافروں کے اٹھتے ہوئے قدم روک لیتا ہے۔ صدیوں سے ایک دھرتی میں پیوست اپنی جڑوں کو خود اپنے ہاتھوں سے نوچ کر نئی سر زمین میں امید کی فصل بونے والوں کے ہاتھ کل بھی خالی تھے اور آج بھی خالی ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ شناخت ختم ہو چکی ہے۔ اب خود پر اعتبار ہے، ساتھیوں پر اور نہ ہی دھرتی پر، خوف، بے دلی، کرب و اضمحلال، خوابوں کا دھواں، امیدوں کی راکھ، ہمتوں کا زوال ہر بار نئے منظر نامے کے ساتھ ان کے افسانوں میں ابھرتا ہے اور ان گنت سوال چھوڑ کر پھر اک نئی صورت میں قاری کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ ایسے میں ہجرت و مسافرت کی علامت فقط افسانے کے ماحول و کردار تک محدود نہیں رہتی بلکہ قاری کو اس ابتدائی انسانی مہاجرت کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتی ہے کہ جو خلد سے زمین تک ہوئی تھی اور جس کا ناتمام سلسلہ آج تک جاری ہے، ہم کہاں ہیں؟ کون ہیں؟ مسافرت کا اختتام کب ہو گا؟ ایک گونج بار بار نوائے محرم گوش بنتی ہے مگر اسکا کامل جواب ابھی تک ذاتِ انسانی کے تحفظ و سکون کی طرح ناپید ہے۔ "کربلا" اس ہجرت کی سب سے اہم علامت ہے، راہِ حق کے متلاشی، کم حوصلہ یا تقدیر کے مارے انسانوں پر مصائب جب بے وطنی بن کر ٹوٹتے ہیں تو صدیوں کا عمل لمحوں میں سمٹ جاتا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہے۔ ایسے میں ذات وشناخت سے بچھڑنے کا دکھ کچوکے لگاتا ہے۔ لیکن بھٹکنا جیسے مقدر ٹھہرا۔ ہجرت انتظار حسین کے لیے محض گلی کوچوں اور بستیوں سے بچھڑنے کا کرب نہیں بلکہ تہذیب و تاریخ اوراجداد کی شناختوں سے تہی ہونے کا المیہ بھی ہے۔ اپنی رسموں، روایتوں اور یادگاروں سے بچھڑ کر وہ بے شناختی کے عذاب میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

> "میں اپنی مصیبت میں زمینوں اور زمانوں میں آوارہ پھرتا ہوں۔ کتنے دن اجودھیا اور کربلا کے بیچ مارا مارا پھرتا رہا، یہ جاننے کے لیے کہ بھلے آدمی اپنی بستی کو چھوڑتے ہیں تو ان پر کیا بیتتی ہے اور خود بستی پر کیا بیتتی ہے۔" [۴]

ڈاکٹر گوپی چند کے مطابق: انھیں شدت سے احساس ہے کہ انکی ذات کا کوئی حصہ کٹ کر ماضی میں رہ گیا ہے۔ اور موجودہ معاشرے کی کوئی تصویر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ماضی کے کٹے ہوئے حصے کو تخیل کے راستے واپس لا کر اپنی ذات میں نہ سمویا جائے [۵]

"انتظار"، "وہ جو کھو گئے"، "سفر منزل شب"، "خیمے سے دور"، "چیلیں"، ہجرت کے ساتھ ساتھ بشری تشکیک، بداعتمادی، خوف اور لاحاصلی کی بھی علامت ہیں۔ عصری، سیاسی و سماجی صورتحال کے تناظر میں ان افسانوں کے کرداروں کے اکھڑے قدم، تہی دستی کی صعوبت، جڑوں سے جدا ہونے اور پا کر بھی تشنہ رہنے کا دکھ نئی سرزمین وزمانے میں بدلتے ہوئے منظر نامے کا بلیغ استعارہ بنتا ہے۔ "ٹرائے" کی مہربان آغوش سے بچھڑنے والے جب نا معلوم منزل کی طرف چلتے ہیں تو گویا اندلس، قرطبہ، دمشق، فلسطین، دلی اور آگرہ سے رخصت ہونے والے بھی ان کے ہم رکاب ہو کر انسانیت کے اس دکھ پر "ندبہ" کرتے ہیں کہ جس نے حاصل کی لاحاصلی کو ان کا مقدر بنا دیا تھا۔ یقین واعتماد کے چھن جانے کے بعد اکھڑے ہوئے قدموں سے وہ اک ان دیکھی استحصالی طاقت کے رحم وکرم پر ہیں اور اس کے مقابلے کی قوت خود میں نہیں پاتے۔ یہ نادیدہ ہاتھ ہمارے عصر ہی نہیں ہر زوال پذیر قوم کا المیہ ہیں۔ چنانچہ "چیلوں" کی علامت سفاکی، خوف، استحصال کے ساتھ ساتھ اپنی بستیوں سے دور وعدے کی سرزمینوں کی آس میں آنے والے لوگوں کے ذہنی وجذباتی بکھراؤ کو بھی آئینہ کرتی ہے۔ "ٹرائے" سے بچھڑا ہوا قافلہ ساحل سے لگتے جس صدمے، شک، وسوسے اور ناامیدی سے دوچار ہوتا ہے وہ فقط ایک قافلے ہی نہیں بلکہ ہر اس قوم کا حصہ ہے جو امیدوں اور خوابوں کی آس پر اپنے ماضی اپنی زمین سے بچھڑ جاتی ہے۔ ایسے میں نہ ماضی انہیں قبولتا ہے، نہ حال اور مستقبل تو ابھی دھند میں لپٹا ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

انتظار حسین کے افسانے علامت نگاری کے لیے بیشتر زاویے تاریخ سے مہیا کرتے ہیں۔ انہی حوالوں سے انہوں نے اپنے عہد کا ادارک کیا ہے لیکن حیات و سماجِ انسانی کے یہ حوالے غالب حد تک اساطیری ہیں۔ چونکہ اساطیر زماں و مکاں کی قید سے آزاد، اجتماعی خیالات کا ذخیرہ اور اس کلچر سے ماخوذ ہوتی ہیں کہ جہاں فنکار نے جنم لیا تھا اس لیے کسی فنکار کے لیے ان کا استعمال اور قاری کے لیے ان کی تفہیم بہت حد تک آسان ہو جاتی ہے۔ ہندو مسلم تہذیب متنوع تہذیبوں کا ذخیرہ اور وسعت میں بے مثال ہے اس لیے انتظار حسین نے اپنی علامت نگاری کے لیے خود کو کسی خاص دھرتی کلچر یا کردار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے فن کو متنوع رنگوں سے رنگا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے:

"ان کی کہانیوں میں بودھ جاتکوں اور ہندوستانی دیومالا کو پہلی بار اعلیٰ تخلیقی سطح پر استعمال کیا گیا ہے۔۔۔ انہوں نے بقائے انسانی سے متعلق سمیری، بابلی، سامی، اسلامی، اور ہندوستانی تمام مذہبی اور اساطیری روایتوں کا معنیاتی جوہر تخلیقی طور پر کشید کیا۔"(٦)

انسانی تہذیبی اثاثے کی امین یہ کہانیاں انتظار حسین کی قلبی و فکری گہرائی میں آمیز ہو کر اپنی تہہ داری اور معنویت کی بدولت علامتی رنگ اختیار کر گئیں۔ کہانی کی بنت کاری اور پیشکش میں انہوں نے کہیں تو مکمل کہانی یا کردار کو علامتی رنگ دیا ہے اور کہیں متعدد اساطیر کے تانے بانے سے ایک مہا اساطیر کو بطورِ علامت استعمال کیا ہے۔ "کچھوے" اور "پتے" اسی رنگ کے غماز ہیں۔ کہ جہاں انتظار حسین نے خیر و شر کی کشمکش اور عصری صورتحال میں ذاتِ انسانی کے دائرہ عمل کی پیشکش کے لیے پوری نسلِ انسانی کی تاریخ کو اپنا سمجھا اور ازلی و ابدی حقائق کے اجتماعی عرفان کے لیے اسے بخوبی استعمال کیا ہے۔ عصری آشوب کے علامتی حوالوں میں " آخری آدمی" کے افسانے بالخصوص توجہ طلب ہیں کہ ان افسانوں میں انتظار حسین نے انسان کے اخلاقی، روحانی، اقداری و تہذیبی زوال کو علامتی انداز میں ابھارا ہے۔ ان افسانوں میں سرکشی و بدی کی طرف لمحہ بہ لمحہ کھنچتے انسان اخلاقی و روحانی طور پر اس پستی تک آن پہنچے ہیں کہ جو انسان کی بجائے جانور کا مقدر ہے۔ اس مجموعے کی پہلی کہانی "آخری آدمی" حرص و ہوا میں اندھی ہونے والی اس بستی کی کہانی ہے کہ جو لالچ، خوف، وسوسے، غصے اور منفی جذبات کے باعث آخری آدمی کو بھی کھو بیٹھتی ہے۔ الیاسف جس نے خدا سے مکر کیا تھا۔ اپنی انسانیت کو بچانے کے لیے ایک عرصہ تک بند باندھتا رہا مگر اس کے لیے:

"لفظوں کی قدر جاتی رہی کہ اب وہ اس کے اور اس کے ہم جنسوں کے درمیان رشتہ نہیں رہے تھے۔ اور اس کا اس نے افسوس کیا۔ الیاسف نے افسوس کیا اپنے ہم جنسوں پر، اپنے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

> آپ پر اور لفظ پر۔ افسوس ہے ان پر بوجہ اس کے کہ وہ لفظ سے محروم ہو گئے۔ افسوس ہے مجھ پر بوجہ اس کے کہ لفظ میرے ہاتھوں میں خالی برتن کی مثال رہ گیا۔ اور سوچو تو آج بڑے افسوس کا دن ہے کہ آج لفظ مر گیا"۔(۷)

چنانچہ جب ذات کا کاسہ عمل کے ساتھ ساتھ علم سے بھی خالی ہو جائے تو انسان بنے رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

"آخری آدمی" انفرادی و اجتماعی دونوں طرح کے زوال کی علامت ہے۔ لالچ و مکر جو سمندر کے کنارے بسنے والی الیاسف کی بستی کے مکینوں کو عذاب سے دوچار کر گئے ہمارے سماج میں چاروں طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ ایسے میں ہوس کاری اور لفظ کی موت کے المیے کے ساتھ ایک سوال دہلا دینے والا ہے کہ کیا ہم معاشرتی و تہذیبی سطح پر اب بھی انسان ہیں یا بندروں کی حیوانی سطح پر اتر آئے ہیں؟ "زرد کتا ٹانگیں"، "شہادت"، "کایا کلپ" اسی انسانی، اخلاقی، روحانی اور تہذیبی زوال کی علامت ہیں جسکا اظہار ابتداءً "آخری آدمی" میں موجود ہے۔ "زرد کتا" اسی زوال کی علامت ہے کہ جو سماج سے فرد کو محیط ہے۔ یہ افسانہ اخلاقی و روحانی پستی، نفس کی یلغار اور مذہبی زاویوں کی تبدیلی کو نشان زد کرتے ہوئے بشر کے روحانی انحطاط کی سرگزشت سناتا ہے۔ "آخری آدمی" کیطرح اس افسانے میں بھی پورے معاشرتی انحطاط میں ایک فرد کے روحانی انحطاط کو متشکل کیا گیا ہے۔ بدی ایک وبا ہے اکثریت اگر اس کی زد میں آ جائے تو بچاؤ ناممکن ہو جاتا ہے۔ زرد کتا ہر شخص کے باطن کا مکین ہے لیکن اس کتے کو کیسے سلانا اور کیسے قید رکھنا ہے یہی فیصلہ روحانی حیات کا ضامن ہے۔ اس افسانے میں چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے ذریعے بار بار نفس کو تقویت دینے اور کتے کو دھتکارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر نفس چھلاوا ہے لومڑ کا وہ بچہ جو ہاتھ نہیں آتا اسے جتنا کچلا جائے یہ اتنا ہی طاقتور ہوتا ہے۔ ایسے میں پناہ فقط۔ خدائے بزرگ و برتر کی امان میں ہے۔ سو آخری آدمی کی طرح اس افسانے کا "میں" بھی اپنے رب کی امان کا طالب ہے اور چونکہ اس نے رب سے مکر نہیں کیا تو آدمی کی جون میں ہی رہتا ہے اس حوالے سے سجاد باقر رضوی کا بیان اہم ہے:

> "زرد کتا نفسِ امارہ کے حوالے سے فرد کی روحانی زندگی کے انحطاط کی کہانی ہے مگر یہی بات معاشرتی انحطاط کی وجہ بن جاتی ہے۔ نفس کا دوزخ بھرنے والے آخری آدمی میں بندر بن جاتے ہیں اور اس کہانی میں وہ سماعت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ روحانی طور پر انحطاط پذیر معاشرے میں صاحبِ کلام منہ پر تالا ڈال لیتے ہیں اور زندہ انسان سماعت سے محروم

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہو جاتے ہیں۔یوں لفظ مر جاتے ہیں اور لفظوں کی موت سے زندگی کی معنویت ختم ہو جاتی ہے اور مردے زندوں سے بہتر ہو جاتے ہیں"(۸)

تب سید علی الجزائری:

"نے آبادی کی طرف رخ کر کے گلو گیر آواز میں کہا: اے شہر تجھ پر خدا کی رحمت ہو تیرے جیتے لوگ بہرے ہو گئے اور تیرے مردوں کو سماعت مل گئی"(۹)

"آخری آدمی"اور"زرد کتا" دونوں روحانی زوال کی بلیغ علامتیں ہیں روحانی حیات کا انحطاط سماجی اقدار و حیات کی تباہی ہے جس کے باعث نفس کا بھوت انسانیت چاٹ لیتا ہے اور لوگ کہیں انسانوں اور کہیں بندروں کے روپ میں سماعت سے محروم اور سمجھ بوجھ سے عاری بدی کے راستے پر آنکھیں بند کر کے چل پڑتے ہیں۔ایسے میں گھر ویران،بستیاں اجاڑ،اور علم و عمل کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں۔اس سلسلے کی تیسری کہانی"ٹانگیں"ہے کہ جہاں پچھل پائیں اور بکرے اسی روحانی انحطاط کی علامت ہیں۔روح کو تیاگنے والے انسانیت کی ارفع ترین سطح سے گر کر جانور بن چکے ہوتے ہیں مگر اس زوال و تباہی کا ادارک کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔کیونکہ نیکی و بدی کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنے والا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ان کی آنکھوں پر پردہ اور قلب و گوش پر مہر لگ جاتی ہے۔روحانی انحطاط اور اخلاقی زوال کے لیے بشر کا بد اعمال ہونا ضروری نہیں بے علم و بے ادارک ہونا کافی ہے۔بدی ذہنِ انسانی سے جنم اور حرص و ہوس سے تقویت لیتی زرد کتے کی طرح پھلتی پھولتی ہے۔اخلاقی و روحانی زوال کی ایک نشانی شہادت سے انکار بھی ہے۔حق کی شہادت کا منکر در حقیقت اپنے وجود کا منکر ہوتا ہے اور اپنے وجود سے مکر جانے والا محض وہم ہوتا ہے حقیقت نہیں۔"شہادت"حق کے انکار کے باعث بکھرتے ہوئے سماج اور فرد کی علامت ہے۔ اس افسانے میں اجتماعی و انفرادی انسانی عمل پچھلے دو افسانوں کی طرح باہم مربوط منسلک ہے کیونکہ فرد سماج کا ضامن ہے اور سماج فرد کا ایسے میں جس نے شہادت سے گریز کیا اس نے گویا خداوند کو جھٹلایا وہ کائنات کے تغیر کے ڈر سے حق سے منکر ہو گیا مگر اپنے خوف کے باعث اسی کائنات کو انتشار کے حوالے کر گیا۔انتظار حسین کے نزدیک ظالم و جاہل انسان کائنات کو ہر صورت برہم کرتا ہے۔وہ سوال پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جس نے اپنی جہالت کے باعث کائنات کو درہم نہ کرنے کی غرض سے درہم کیا کون تھا؟اس کون تھا کے آوزے کے ساتھ بہت سی صورتیں آئینوں میں ابھرتی ہیں۔ان صورتوں میں ہماری صورتیں بھی شامل ہیں۔کون تھا کے سوال کے ساتھ ہی ان صورتوں کی کھوج بڑھتی ہے کہ وہ کون تھا کہ جس کے گریز کو سب نے جانا مگر اس کے نام کو کوئی نہ جان سکا۔وہ جو آوازۂ حق کو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سن کے بھی بے بہرہ رہا وہ جو حق کی سرفرازی کے لیے دشت بلا کو جاتے قافلے سے بچ کر نکل گیا۔ کون تھا؟ ہر بار کون تھا اور کہاں گیا کی صدا کے ساتھ ضمیر چوٹ کھاتا ہے مگر خود غرضی اور منافقت اسے دوبار تھپک کر سلا دیتی ہیں۔ ایسے میں ایک آوازہ بلند ہوتا ہے۔

"وائے ہو تم پر اے اہل دمشق کہ تم مجھ سے بھی گزرے۔ تم نے حق کو نیزے پر بلند دیکھا اور تم نے حق کی شہادت نہ دی۔"(۱۰)

حق کے مقابل ظالم کے ظلم پر خاموش رہنے والے در حقیقت خود بھی اس ظلم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ حق دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے والے اپنی جان کو عزیز رکھنے والوں کا مقدر سوائے بربادی کے کچھ نہیں ٹھہرتا، ایک سادہ سی کہانی کو "شہادت" میں انتظار حسین نے آزاد تلازمہ ءِ خیال کی تکنیک کے ذریعے ایک متحرک علامت میں بدل دیا ہے۔ یہ علامت ہر اس عہد اور معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے جہاں جان یا مفاد کے خوف و طمع کی بدولت لوگ حق گوئی و بے باکی سے منہ موڑ لیں۔ کیونکہ محض نام کا اعلان بھی کبھی کبھی انا الحق کا نعرہ بن جاتا ہے۔ "کایا کلپ" بھی اسی سلسلے کا تسلسل ہے۔ ظالم کے خوف سے چھپ جانے والا، خود میں سمٹ جانے والا انسان کہلانے کا اہل نہیں۔ چنانچہ ہدایت و عمل کے مسلسل بلاوے کے باوجود بشر اگر اپنے لیے حقیقت و حرمت کا انتخاب نہ کرے تو اس کا وجود ایک حقیر مکھی سے زیادہ کچھ نہیں۔ افسانے میں مکھی کی علامت کے ذریعے انتظار حسین نے انسانی سماج میں پستی بدحالی، اذیت، بے عملی، خود غرضی، نفسیاتی کشمکش، احساس شکست و جرم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پستی اور بے معنویت و لغویت کو بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان علامتی افسانوں میں انہوں نے کتے، بندر اور مکھی کی علامتوں کے ذریعے اخلاقی گراوٹوں کو نشان زد کر کے انسانی وجود کو پستیوں کی مسافرت سے روکا ہے۔ کیونکہ انسان بنے رہنے کے معنی دراصل ذات کی شناخت و تشخیص سے عبارت ہیں۔ فرد سماج کا کل پرزہ ہے۔ چنانچہ فرد کی حق شناسی، حق پرستی گمراہی و نفسیاتی خواہشات سے دوری گویا پورے سماج کی تطہیر ہے لیکن اگر سماج میں بدی اس قدر سرایت کر جائے کہ حق کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو تو زوال مقدر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر معاشرے کے تمام افراد بندر بن جائیں تو ایک فرد کا انسان بنے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

انتظار حسین کے دیگر علامتی افسانوں میں "وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے" "اندھی گلی"، "شہر افسوس"، "دیوار"، بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ ان افسانوں کی فضا ہجرت در ہجرت کے المیے، بے وطنی کے حاصل درد، کسک، بربادی اور فشار کی علامت بنتے ہوئے مشرقی پاکستان کے خونی سانحے کو زندہ کر دیتی ہے۔ ہجرت کے بعد پاکستان کی

غیر یقینی صورتحال نے اپنی جڑوں سے بچھڑنے والوں کو جس عذاب سے دوچار کیا تھا مشرقی پاکستان کے سانحے نے اسے ہمیشہ رسنے والے ناسور میں بدل دیا۔ ایسے میں ایک مخلص فنکار ہونے کی گواہی دیتے ہوئے انہوں نے "شہر افسوس" جیسا افسانہ لکھا اس علامتی افسانے کی متنوع جہات ہیں جس میں اپنوں کی اپنوں کے ہاتھوں قتل وغارت گری، تقسیم ہند کے موقع پر بہار، نواکھلی، کلکتہ اور آسام وغیرہ سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان کو اپنا دیس بنانے والے مہاجرین کی بے گھری، جوشِ انتقام میں اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں مسمار، پامال اور جلتا ہوا اجتماعی وجود دشمن کی طرف سے امان کا فریب اور نجات کے مسدود راستے، انتظار حسین اس اذیت ناک تجربے کو کوفہ و کربلا کی اذیت گاہوں سے گزار کر اپنے مخصوص داستانوی اسلوب کے ساتھ انفرادی و اجتماعی انسانی آشوب کی علامت بنا دیتے ہیں۔ افسانے کا بظاہر تمثیلی بیان بباطن حرف در حرف اپنوں کے ہاتھوں اجڑتی، جلتی اور پامال ہوتی بستیوں کا نوحہ بن جاتا ہے۔ اور یہ نوحہ افسانے کے ہر جملے کے ساتھ بے خبر قوم کے لیے مشرقی پاکستان کے سانحے کی عصری تاریخ رقم کرتا ہے۔ "وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے" اسی سانحے کی بازگشت ہے بظاہر یاجوج کا قصہ عرب اعراق جنگ کا تناظر بھی سامنے لاتا ہے مگر یہ سقوطِ مشرقی پاکستان کا بلیغ استعارہ بھی ہے اس حقیقت کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے کہ باہمی وسائل پر جھگڑتے بھائی جب نفرت، کدورت اور بدگمانی کی انتہا پر پہنچے تو اپنے گرد کھڑی بدحالی و دشمنی کی دیوار کو چاٹنے کی بجائے خود اپنی بربادی بن کر ایک دوسرے کو چاٹنے اور تاراج کرنے لگے۔ ایسے میں دشمن کی سدِّ سکندری مضبوط ہوتی گئی، مگر یاجوج ماجوج رشتوں کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کیے فقط ایک دوسرے کی فنا کے درپے تھے انہیں دشمن بھول چکا تھا۔

"اندھی گلی" سقوطِ مشرقی پاکستان اور دھرتی سے بچھڑ کر بے شناخت ہو جانے والوں کی علامت ہے۔ کہ زمین سے اگر ایک بار قدم اکھڑ جائیں تو بے وطنی نصیب بن جاتی ہے اور ایسے وقت میں زندگی کی ہر گلی بند گلی بن جاتی ہے۔ امان کی تلاش میں بے امان ہونے والے دو نفوس جب غیریت اور اپنوں کے ستم کا عذاب جھیل کر اپنی دھرتی پر واپس پلٹتے ہیں تو تمام دروازے مقفل اور تمام نشانات معدوم نظر آتے ہیں۔ اب زندگی ایک بند گلی ہے کہ جہاں سے بچ نکلنے کی صورت انہیں نظر نہیں آتی۔ افسانے کے متعدد جملے مخصوص عصری، انسانی صورتحال پر کربناک طنز ہیں کہ جو صبح امید کی آس میں اپنی بستیوں سے رخصت ہونے والوں کا درد کہتے ہیں۔ "کشتی" ہجرت و پناہ کے سفر میں رہنما کے بچھڑ جانے کی علامت بن کر قرانِ حکیم قصص الانبیا، عہد نامہ قدیم، ہندو ویدوں اور گلگامش کی حکایت کے سہارے گم کردہ منزل کی حساسیت کو بڑھاتی ہے۔ رہنما کی عدم موجودگی محفوظ سفر کو بھی مصائب سے دوچار کر

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

دیتی ہے۔ حال کے لمحوں کا سفر بھی نوح کے بچھڑ جانے سے خطرات کی زد میں ہے۔ چنانچہ ہر شخص آنے والے وقت کی یلغار سے سہا خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ نوح کہاں ہے؟ انتظار حسین کے دیگر علامتی افسانوں میں "رات" اور "دیوار" بھی اہم ہیں۔ کہ ان میں بھی تقسیم ملک کی بازگشت مخصوص و محدود تناظر سے بلند ہو کر ہر اس بستی و ملک کی تصویر نظر آتی ہے جسے اپنوں سے ضعف پہنچا ہو۔ جہاں تقسیم کے عمل میں رشتے دو لخت ہو کر آدھے ادھورے اور نامکمل رہ گئے ہوں۔ جہاں خوابوں کی تعبیر بھیانک سیاہ رات کی صورت سامنے آئی ہو اور فرد اپنے لیے جائے اماں ڈھونڈ تا تھک چکا ہو۔

مجموعی طور پر انتظار حسین کے علامتی افسانے اپنے اندر ایک قسم کی وحدت رکھتے ہیں۔ ان کے موضوعات ایک دوسرے سے منسلک نظر آتے ہیں۔ دراصل ہر فنکار ایک مخصوص ویژن سے وابستہ ہوتا ہے اور اسکا یہ مخصوص ویژن دانستہ یا نادانستہ فنی اظہار کے وسیلے کھوجتا ہے۔ انتظار حسین کے لیے سب سے اہم چیز دھرتی ہے اور سب سے بڑا دکھ ہجرت، اور اگر ہجرت ان خوابوں کی تعبیر نہ بن سکے کہ جنہیں آنکھوں میں سجائے قافلے والوں نے اپنی تہذیب، رسم ورواج، اجداد کی نشانیوں اور اپنے ہنستے بستے آنگنوں کو الوداع کہا تھا تو ہجرت کا زخم ناسور بن کر ہر لمحہ ٹیس دیتا ہے۔ انتظار حسین بھی اسی درد سے دوچار تھے۔ سو انہوں نے حکایات، روایات، داستانوں، تمثیلوں، عہد ناموں کے اوراق کا سفر کر کے اپنے درد کو کہانیوں کی صورت بیان کیا ہے۔ یہ کہانیاں محض کہانیاں نہیں۔ عصری صورتحال کی دستاویز ایک ہمدرد انسان کی تنبیہ اور ایک سچے فنکار کی آرزو ہیں کہ جو اپنے عہد کو اعلیٰ اخلاقی اقدار اور محبت و یگانگت سے معمور دیکھنا چاہتا ہے۔ جو اپنی دھرتی کو ہر نئے آنے والے کے لیے جائے اماں بنانا چاہتا ہے کہ جو دکھ اس نے اور اس کے عہد نے جھیلے ہیں کوئی اور نہ جھیلے۔ وہ اپنے عہد کو نفسا نفسی کے عذاب، حرص و ہوا کے آشوب سے نکالنا چاہتے ہیں اسلیے ایک عمر رسیدہ بوڑھے کی طرح عرفان و دانش سے گندھی حکایات سنا کر ان کو حال کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ کل کے عذاب کے آئینے میں آنے والے وقت کی صورت دیکھ پائیں۔ اور ان کا معاشرہ بھی ایک مثالی معاشرہ بن کر سامنے آئے۔

حوالہ جات

1C.G Jung:symbols of transformation,1956,P-124(Routledge and kegan. Paul.ltd-London.

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

۲۔ وزیر آغا: ڈاکٹر" تنقید اور مجلسی تنقید"۔طبع دوم ۱۹۸۱، آئینہ ءِ ادب چوک مینار انارکلی لاہور، ص۱۹۸

۳۔ وزیر آغا: ڈاکٹر" دائرے اور لکیریں "۱۹۸۲،مکتبہ فکرو خیال لاہور، ص۱۴۲۔

۴۔ ایضاً ۱۴۲

۵۔ انتظار حسین، "کچھوے" (نئے افسانہ نگار کے نام) بار اوّل۱۹۸۱ ءشرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص۱۶۹

۶۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر،" اردو افسانہ روایت اور مسائل" (مرتبہ)۔۱۹۸۶ء۔ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ص۵۶۶-۵۷۵

۷۔ انتظار حسین،" آخری آدمی"، (آخری آدمی)۱۹۹۷ء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص ۲۵

۸۔ ایضاً ص ۱۵

۹۔ ایضاً ص۳۱

۱۰۔ ایضاً ص ۱۳۴